

شمس الاسلام

ماہنامہ

مجلس مرکزیہ

حزب الانصار کی اٹھائیسویں عظیم الشان سالانہ تبلیغی

* کانفرنس *

قارئین شمس الاسلام کو اس مژدہ جانقزا سے خورسند کیا جاتا ہے کہ حزب الانصار کی اٹھائیسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس بتاریخ ۱۳-۱۵-۱۶ مارچ ۵۸ مطابق ۲۲-۲۳-۲۴ شعبان ۱۳۷۷ بموافق ۱-۲-۳ بھاکن سمت ۲۰۱۳ بروز جمعہ ہفتہ - اتوار کو انشاء اللہ عزیز جامع مسجد بھیرہ میں منعقد ہوگی جس میں مشائخ عظام کے علاوہ پاکستان کے بہترین خطیب و مقررین تشریف لائیں گے مندرجہ بالا تاریخوں کو نوٹ فرمالیں - خود بھی شامل ہوں اور اپنے دوستوں کو جلسہ کی تاریخوں سے آگاہ کریں -

غلام حسین ناظم مجلس استقبالیہ حزب الانصار بھیرہ (پاکستان)

تحت ادارہ

غلام حسین } امیر حزب الانصار بھیرہ
مدیر مہر } مولانا الحاج افتخار احمد بکوی } سالانہ مژدہ
(پاکستان)

بیادگارِ عظیم ملتِ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی نور اللہ قادری

زیر ہدایت مولانا افتخار احمد صاحب بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ (پنجاب)

منجانب

سالانہ چند

عوام سے

۳/- روپے

طلباء سے ۲/۸

سالانہ چند

معاونین سے

۵/- روپے

غیر مالک سے ۲/۸ روپے

حزب الانصار بھیرہ

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

اغراض و مقاصد :- ۱۔ اندرونی و بیرونی حملوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام ۔ ۲۔ اصلاح رسوم و باطنی شریعت اسلامیہ ، ایجاد و اشاعت علوم دینیہ ۔

طسرتی کار :- ۱۔ جریدہ شمس الاسلام کا اجراء (۲) دارالعلوم عزیزہ جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت سر انجام دے رہا ہے ۳۔ مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے ۔ یہی عظیم الشان سالانہ کانفرنس (۵) امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ ۔ (۶) کتب خانہ (۷) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت ۔

جریدہ کے قواعد و ضوابط :- ۱۔ جریدہ ہر ماہ انگریزی کی پانچ تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے ۔ مضامین ہر ماہ کی دس تاریخ کو وصول ہونے چاہئیں ۔ مدیر کا مضمون نگار صاحبان کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ۔ ۲۔ امکان حزب لانگھٹا

کے نام جریدہ مفت بھیجا جاتا ہے ۔ چندہ رکھتے کم از کم چار آنہ ماہوار یا تین روپیہ سالانہ ہے ۔ (۳) عام سالانہ چندہ :- ۳/۸ ، معاونین سے ۵/۸ اور طلباء سے ۲/۸ روپیہ مقرر ہے ۔ نمونہ پاپر چار آنہ کے ٹکٹ موصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے ۔ یہی رسالہ باقاعدہ چارچ پڑنال کے بعد حوالہ ڈاک

کیا جاتا ہے ۔ بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں خریدار کی طرف سے ماہ کی ۲۵ تاریخ تک اطلاع موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے ۔ اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہو گا (۵) جواب کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آتے چاہئیں ۔ ۶۔ ہندوستان والے چندہ سماجی عبد الحمید صاحبان کمیشن اینڈ سٹریٹ بی (دہندہ وستان) کو ہندیہ مئی آرڈر ارسال کریں ۔

جملہ خط و کتابت ترسیل زر بنام غلام حسین ایدیر محمد شمس الاسلام بھیرہ (پنجاب) ہونی چاہئے

سُرخ نشان

دائرہ میں سُرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے ۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی پی آر سال ہو گا ۔ جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے ۔ کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ مئی آرڈر بھیجیں ۔ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں ۔ خدا را دعا کی و پس کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں ۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ۔

ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ

حقیقہ: سید سیاح الدین کا کاغذ

شمارہ ۲

رجب المرجب ۱۳۷۷ھ مطابق فروری ۱۹۵۶ء

جلد ۲۹

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	شذرات	ادارہ	۴
۲	اسلامی حکومت میں ملازموں کے حقوق و فرائض	پروفیسر لبیب السعید مصری	۱۱
۳	الاخوان المسلمون	مولانا ابوالحسن علی ندوی	۱۴
۴	علم حدیث	مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی	۱۹
۵	بیابان مجلس اقبال دیکھو ساغر کش	س	۲۲
۶	پاکستان میں اسلامی قانون کی تدوین	مولانا امین احسن اصلاحی	۲۴
۷	رسائل و مسائل	ادارہ	۲۹

باتہام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر سپلشر ثنائی برقی پریس سرگودھا میں چھپ کر دفتر جدیدہ شمس الاسلام
جامع مسجد بھیرہ سے شائع ہوا

شذرات

(ادامہ)

بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ علمی

بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ علمی کا اجلاس پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۳۱ دسمبر ۱۹۵۴ء کو شروع ہوا۔ اور ۸ جنوری ۱۹۵۵ء کو اختتام پذیر ہوا۔ نو دن تک اس مجلس کی کارروائی جاری رہی۔ یہ اجتماع پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد تجربہ تھا۔ اس سے قبل دنیا بھر کے ایسے متشرعین اور فضلاء کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ علمی نوعیت کے اس اجتماع میں بہت سے لوگ شامل ہوئے۔ مصر کے وفد نے سب سے زیادہ دلچسپی ظاہر کی۔ بارہ علماء نے چودہ مقالے مختلف موضوعات پر پڑھے۔ اس کے بعد پاکستان کا نمبر تھا جس میں ۵۴ نمبر تھے ایک خاتون بھی اس میں شامل تھیں۔ اس وفد نے ۲۵ مقالے پڑھے۔ شامی وفد میں سات نمبر تھے جس نے سات مقالے پڑھے۔ اور تیونس کے وفد نے چار مقالے پڑھے۔ یہ وفد چار ارکان پر مشتمل تھا۔ سعودی عرب (۲ نمبر) افغانستان (۴ نمبر) روس (۴ نمبر) چین (۵ نمبر) نے تین تین مقالے پڑھے۔ تقریباً ۳۰ ممالک نے اس مجلس میں حصہ لیا۔ یونسکو (اقوام متحدہ) کا بھی ایک وفد تھا۔ حصہ لینے والوں میں ۵ ممالک اسلامی تھے۔ دس مغربی اور سات افریقی و ایشیائی تھے۔ کل ۹۲ مقالات پڑھے گئے۔ نمائندوں کی مجموعی تعداد ۱۷۰ تھی۔ تین نمبر ترک تھے۔ مگر انہوں نے کوئی مقالہ نہیں پڑھا۔ برطانیہ کے پانچ افراد کے وفد نے دو مقالے پڑھے۔ برطانیہ اور پاکستان کی دو خواتین بھی تھیں۔ انہوں نے ایک ایک مقالہ پڑھا۔ جن ممالک نے اس مجلس علمی میں شرکت کی ان کے نام یہ ہیں۔

افغانستان۔ کینیڈا۔ لٹوا۔ چین۔ مصر۔ فرانس۔ جرمنی۔ ہالینڈ، بھارت۔ انڈونیشیا۔ عراق۔ ایران۔ اٹلی۔ اردن۔ کینیا۔ یلیبا۔

مراکش۔ ناروے۔ فلسطین۔ فلپائن۔ سعودی عرب۔ اسپین۔ جزیرہ افریقہ کے ممالک۔ سوڈان۔ شام۔ تھائی لینڈ۔ تیونس۔ ترکی۔ برطانیہ۔ روس۔ پاکستان اور ایک وفد یونسکو کا بھی شامل تھا۔ اس مجلس مذاکرہ میں جن مسائل پر مقالات پڑھے گئے۔ ان کے عنوانات یہ ہیں۔

۱۔ اسلامی ثقافت سے کیا مراد ہے؟

۲۔ مسلم معاشرے کو جدید نظریات اور معاشرتی اقدار کا چیلنج

۳۔ اسلام میں اجتہاد کا مقام اور قانون سازی کا دائرہ عمل۔

۴۔ اسلام میں مملکت کا تصور

۵۔ اسلام اور جدید علوم

۶۔ مغربی تاریخ و ثقافت پر اسلام کے اثرات

۷۔ اسلام کا نظام معیشت، بالخصوص غیر منقولہ جائیداد اور زمین کے لگان کے سلسلہ میں۔

۸۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں اسلام کا رویہ۔

۹۔ امن عالم کے سلسلہ میں اسلام کی خدمات۔

ان عنوانات پر مشرق و مغرب کے علماء و فضلاء اور متشرعین نے اپنے اپنے مبلغ علم و نعم اور نظریات و افکار کے مطابق مقالات بھی پڑھے اور پھر ان مقالات پر بحث و تنقید بھی خوب ہوئی۔ تمام مجلس مذاکرہ پر مصری اور شامی علماء چھائے ہوئے تھے۔ اور اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ کہ انہوں نے اس موقع پر غیرت ایمانی کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اور پوری جرأت دے غنی کے ساتھ دلائل و براہین پیش کر کے حق کی حمایت کی۔ اور اسلام کی صحیح نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک نے پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہر مسئلہ پر تقریر کی۔ اور علمی

تنقید و تبصرہ کر کے حمیت دینی کے ساتھ ساتھ اپنی قابلیت و مہارت کا سکہ بھی بٹھا دیا۔

لاہور میں اس بین الاقوامی مجلس مذاکرہ کا انعقاد کیسے ہوا اس کا پتہ نظر کیلئے ہے؟ اور وہ کونسے عوامل تھے جن کی بنا پر اس قدر زور و کوشش کے صرف سے یہ عظیم باستان اجلاس منعقد ہوا؟ کہا جاتا ہے کہ اس میں کچھ سیاسی مفاد پیش نظر تھا۔ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک اسلامیہ کے مسلمان باشندوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ امریکہ کی حکومت ایک مذہبی قسم کی حکومت ہے اور خصوصاً اسلام کے ساتھ اس کی دلچسپی اور ہمدردی اس قدر زیادہ ہے کہ وہ اسلامی علوم اور اسلامی مسائل پر علمی تحقیق و تدقیق کے لئے اس قسم کی مجلسیں منعقد کرتی اور کراتی ہے۔ اور اس طرح سے امریکہ اور اس کے حلیفوں کا مقصد مسلمانوں کو مانوس کرنا ہے۔ اور اس ذریعہ سے پھر ان ممالک میں سیاسی فوائد حاصل کئے جائیں گے۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ پاکستان کے ارباب اقتدار و اختیار چاہتے ہیں کہ اس علمی مجلس کے ذریعہ سے بعض اہم اسلامی مسائل کو ایسے رنگ میں پیش کیا جائے جو رنگ یہ حضرات اپنی ذاتی خواہشات کے مطابق اسلام کو دینا چاہتے ہیں۔ اور قرآن و سنت کی کچھ ایسی تفسیر پیش کی جائے جو ان کی اُمیگوں کی ہم آہنگ ہو تاکہ وہ پھر اس علمی مجلس مذاکرہ اور اس کے "بین الاقوامی فضلاء و علماء" کے "متفقہ فیصلوں" کے حوالے سے اسلام کا یہ نیا ایڈیشن مملکت پاکستان میں خوب جرات کے ساتھ پھیل سکیں۔ اور اس طرح "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" میں یورپ و امریکہ کے مزاج اور ان حضرات کی خواہشات نفس کے مطابق "اسلامی نظام" جاری کرنے کے لئے میدان صاف ہو جائے۔ اور اگر کوئی عالم دین کسی بات پر اعتراض کرے تو یہ کہہ کر بہ آسانی اس کا منہ بند کیا جاسکے کہ ملاؤں کو اصل اسلام کی کیا خبر۔ اسلامی علوم کے بڑے بڑے ماہرین اور امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں کے محقق متشرعین نے مجلس مذاکرہ میں بڑی تحقیق کے بعد جو مسائل طے کئے ہیں وہ عین اسلام ہے۔ یہ خیال کرنے والے لوگ اپنے اس خیال کی

تائید میں چند باتیں بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ اس مجلس مذاکرہ کا انتظام جن حضرات کو سپرد کیا گیا تھا ان میں مؤثر اکثریت اس ذہن کے حضرات کی تھی جو اسلام کی بالکل نئی تعبیر کرنا اور اجتہاد کا دروازہ بالکل چوڑا کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہر مانی بہ آسانی اسلام میں داخل کی جا سکے۔ اور اسلام کو غیر اسلام قرار دینے اور غیر اسلام کو اسلام منوانے پر کسی قسم کی پابندی نہ رہے۔ دوسری بات یہ کہ پاکستان کے جہاد و جدید چیدہ علماء کو اس مجلس میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی۔ اور صرف کابجوں اور یونیورسٹیوں کے وہ پروفیسر اور لیکچرار ہی علمائے دین کی حیثیت سے مدعو کئے گئے جو عربی اور اسلامیات کی رسمی ڈگری تو ضرور رکھتے ہیں اور اس لئے وہ "اہل علم" کہلاتے ہیں۔ لیکن درحقیقت نہ صرف یہ کہ وہ علماء اس معیار پر پورے نہیں اُترتے جو اسلام میں علمائے اسلام کے لئے قرآن سنت کی روش سے مقرر ہے۔ بلکہ علماء بھی وہ دین اسلام کو ملاحظہ نہیں کرتے ان کا مطالعہ محض سرسری ہے اور زیادہ تر وہ یورپ امریکہ کے متشرعین کے خوشہ چین ہیں اور انگریزی زبان میں عیسائی مصنفین نے اسلام کی جو تصویر کشی کی ہے یہ لوگ صرف اُنکی کو پڑھتے ہیں۔ اور اسی کو اسلام سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ متشرعین کی کتابوں میں دانستہ اور غیر دانستہ دونوں طرح اسلام کی نہایت غلط ترجمانی کی گئی ہے۔ اور جب مسلمانان پاکستان کو علم ہوا کہ اس مجلس مذاکرہ میں علمائے اسلام کے عنوان سے سٹر پرویز، چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی، اور خلیفہ عبدالحکیم جیسے اشخاص اسلامی مسائل کے حل کرنے کے لئے تودعو کئے گئے ہیں اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان جیسے دوسرے محقق علمائے اسلام کو شرکت کرنے کی دعوت نہیں دی گئی ہے۔ تو اس پر مسلمانان لاہور نے نہایت پر زور احتجاج کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر میاں افضل حسین صاحب کی خدمت میں ایک وفد نے حاضر ہو کر مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو اس مجلس مذاکرہ میں آنے نہ دیا جائے اور علماء کرام کو بھی ضرور مدعو کیا جائے۔ چنانچہ مجلس مذاکرہ کے انعقاد

تعلقات و روابط قائم کرنے کے لئے عربی زبان سیکھنے اور سمجھنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ اس نظارہ کو دیکھ کر اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانا چاہئیں جو پنجاب یونیورسٹی کے ارباب اختیار ہیں اور جن کی پالیسی یہ ہے کہ عربی زبان کو ختم کیا جائے۔ اور جن کا ہر نیا اقدام اس ارادہ سے ہوتا ہے کہ تعلیمی اداروں میں عربی اور عربی دانوں کی پوری پوری حوصلہ شکنی ہو۔ اور جن اس مملکت میں عربی زبان کو کسی طرح پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملے۔ اور جن کے عزائم سے کچھ یوں مترشح ہو رہے ہیں کہ عربی زبان ان کے ہاں انتہائی مبغوض، غیر ترقی یافتہ اور قابل نفرت زبان ہے۔ کاش کہ مجلس مذاکرہ کے ان نو دلوں کے منظرے سے وہ کچھ عبرت اندوز ہو جائیں۔

(۴) دین اسلام کے قوانین و احکام اور دینی نظام کے تمام شعبوں کے سلسلہ میں جس طرح قرآن مجید کو ماخذ اور حجت ہونے کی حیثیت سے پیش کیا گیا اسی طرح بار بار بالانزام قرآن مجید کے ساتھ ہی اسی طرح ماخذ دین اور حجت ہونے کی حیثیت سے سنت رسول اللہ کو بھی پیش کیا گیا۔ اور مصدر شام اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے تمام علماء و فضلاء نے نہایت جرأت کے ساتھ صاف و صریح الفاظ میں سنت کے بلند و بالا مقام اور اس کی عظمت و اہمیت کی تصریح کر دی۔ اور اپنی بار بار کی تصریحات نے اُن لوگوں کے خیالات باطلہ کے تار و پود کو بکھیر دیا جو سنت کے منکر ہیں۔ چنانچہ منکرین سنت کے سرخیل مسٹر غلام احمد پرویز صاحب نے اس پر غم و غصہ سے بے تاب ہو کر اعتراض یہ کیا کہ "قرآن تو ایک معین کتاب ہے لیکن سنت سے کیا مراد ہے میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں سنت کی تعیین کر کے میری یہ دشواری دور کر دی جائے"

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے پوری تفصیل کے ساتھ پرویز صاحب کو جواب دیا اور فرمایا کہ سنت کوئی گمشدہ چیز نہیں ہے جسے تلاش کرنے کے لئے ہمیں اندھیرے میں ٹٹولنا پڑ رہا ہے۔

اسی طرح مولانا ظفر احمد انصاری صاحب نے بھی پرویز صاحب کو

سے صرف دو دن قبل چند علمائے کرام کو دعوتِ شرکت دی گئی۔ اور وہ حضرات محض اس لئے تنگیِ وقت کے باوجود شریکِ مجلس ہوئے تاکہ فی الجملہ اسلام کی نمائندگی تو ہو جائے اور اگر کوئی ایسی بات سامنے آئی جس کا احتساب ضروری ہو تو شریکِ محفل ہو کر اس پر احتساب کیا جاسکے۔

انرض اس مجلس مذاکرہ کے بارے میں عام طور سے یہ دو قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ ہم خود اس موقع پر جزم و یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کیا واقعہ میں یہ دونوں باتیں صحیح ہیں یا دو میں سے کوئی ایک بات درست ہے یا دونوں ہی غلط ہیں۔ بہر حال جو بھی وجہ ہو مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی اور مندرجہ بالا موضوعات پر مقالات بھی پڑھے گئے اور بحث و تنقید بھی ہوئی۔ اگرچہ انگریزی اور عربی مقالات میں سے بہت سے اہم مقالات کے تراجم اخبارات میں شائع بھی نہیں ہوئے اور جن مقالات کے تراجم شائع ہوئے وہ بھی نامکمل اور کافی پیچیدہ اور مخلق تھے۔ سلیس اور مطلب خیز ترجمہ نہیں کیا گیا۔ لیکن مجلس مذاکرہ کے سلسلہ میں جو کچھ اخبارات میں شائع ہوا اور جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا وہ یہ ہے کہ بحث و تنقید اور علمی گفتگو اور تحقیق و تمیز کے بعد گویا چند مسائل صاف کئے گئے۔ معلوم نہیں کہ یہ مجلس مذاکرہ منعقد کرنے والے حضرات کے ہاں (وہ جو بھی ہوں) یہ مجلس اپنے مقصد کے اعتبار سے کامیاب رہی یا ناکام۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بعض اہم مسائل کو حل کرنے اور منقطع طور سے پیش کرنے کے اعتبار سے یہ مفید بھی ثابت ہوئی اور کامیاب بھی۔ مثلاً۔

(۱) تمام مجلس مذاکرہ پر عربی زبان چھائی ہوئی تھی اور اس مجلس مذاکرہ کی مملکت میں عربی زبان کا سگہ خوب چل رہا تھا۔ اس سے عربی کی اہمیت خاص طور سے واضح ہو گئی اور یہ ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث اور دینی مسائل سمجھنے، علمی بحث و گفتگو کرنے اور بین الممالک اسلامیہ

خوب تفصیل کے ساتھ جواب دے کر فرمایا کہ

"جہاں تک سنت کا تعلق ہے چودہ سو سال سے کروڑوں

اسے بولتے ہیں۔ اسے سمجھتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں
ہزاروں مصنفین مسلم اور غیر مسلم سنت کے متعلق بے شمار

تصانیف مسلک تھکتے رہے ہیں۔ ہندو دنیا کے نزدیک اس

کے مبہم ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اور سنت کی اگر پوری

تعمین کر کے پردہِ صاحب کو اچھی طرح سمجھا بھی دیا جائے

تو اس طرح سے پھر بھی انہی کی دشواریاں ختم نہیں ہوں گی

وہ عربی زبان جانتے ہی نہیں۔ وہ براہِ راست نہ قرآن

سمجھ سکتے تھے۔ نہ سنت۔ لامحالہ اس کو مختلف تراجم سے کام

لینا ہو گا۔ اور خود عربی نہ جاننے کی وجہ سے صحیح ترجمے کا

انتخاب بھی ان کے لئے ایک دشواری ہے۔"

الرحمن اس مجلسِ مذاکرہ میں یہ بات منقطع ہو گئی کہ قرآن مجید کے ساتھ

ی سنت رسول اللہ بھی دین اسلام میں ایک حجت شرعی اور ماخذ

قانون ہے۔ اور سنت رسول اللہ سے صرف نظر کا مطلب درحقیقت

سلام ہی سے صرف نظر ہے۔

اسی بات تسلیم کی گئی کہ نئے زمانہ اور نئے حالات میں جو نئے نئے

سائل اور واقعات و حوادث پیدا ہو چکے ہیں یا پیدا ہو رہے ہیں ان کے

ارے میں شرعی اور فقہی حکم معلوم کرنے کے لئے اجتہاد ناگزیر ہے۔

قرآن و حدیث میں منصوص امور کے باوجود اجتہاد کا سوال پیش

ہی نہیں سکتا لیکن غیر منصوص امور کے بارے میں قرآن و سنت کے

قرر کردہ حدود کے اندر رہ کر اجتہاد کئے بغیر چارہ بھی نہیں۔ لیکن

اجتہاد ہر شخص کا کام نہیں۔ بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط و اوصاف ہیں۔

ناچھ اسی سلسلہ میں مولانا مودودی صاحب نے فرمایا۔

"اجتہاد کا مقصد چونکہ خدائی قانون کو انسانی قانون سے

بدلتا نہیں بلکہ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور اس کی رہنمائی

میں اسلام کے قانونی نظام کو زمانے کی رفتار کے ساتھ

ساتھ متحرک کرنا ہے اس لئے کوئی صحت مندانہ اجتہاد

اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے قانون سازوں میں

حسب ذیل اوصاف موجود ہوں۔

(۱) شریعت الہی پر ایمان۔ اس کے برحق ہونے کا یقین اس کے اتباع

کا مخلصانہ ارادہ۔ اس سے آزاد ہونے کی خواہش اور اقدار کی دوسرے

ماخذ سے لینے کے بجائے صرف خدا کی شریعت سے لینا۔

(۲) عربی زبان اور اس کے قواعد اور ادب سے اچھی واقفیت۔ کیونکہ

قرآن اسی زبان میں نازل ہوا۔

(۳) قرآن اور سنت کا علم جس سے آدمی نہ صرف جزوی احکام اور

ان کے مواقع سے واقف ہو بلکہ شریعت کے کلیات اور اسی کے مقاصد

کو بھی اچھی طرح سمجھ لے۔ اس کو ایک طرف یہ معلوم ہونا چاہئے کہ

انسانی زندگی کی اصلاح کے لئے شریعت کی مجموعی سکیم کیا ہے۔ اور

دوسری طرف یہ جاننا چاہئے کہ اس مجموعی سکیم میں زندگی کے ہر شعبے

کا کیا مقام ہے۔ شریعت اس کی تشکیل کن خطوط پر کرنا چاہتی ہے۔

اور اس تشکیل میں اس کے پیش نظر کیا مصالح ہیں۔ دوسرے اجتہاد

کے لئے قرآن و سنت کا وہ علم درکار ہے جو مندرجہ شریعت تک پہنچتا ہے

(۴) پچھلے مجتہدین کے کام سے واقفیت۔ جس کی ضرورت صرف اجتہاد

کی تربیت ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ قانونی ارتقاء کے تسلسل کے لئے

بھی ہے۔ اجتہاد کا مقصد ہر حال یہ نہیں ہے اور نہیں ہونا چاہئے۔

کہ سابقہ تعمیر کو ڈھا کر یا متروک قرار دے کر نئے نئے سے تعمیر شروع کرے

(۵) عملی زندگی کے حالات و مسائل سے واقفیت، کیونکہ انہی پر شریعت

کے احکام اور اصول و قواعد کو منطبق کرنا ہے۔

(۶) اسلامی میاں اخلاق کے لحاظ سے عمدہ سیرت و کردار۔ کیونکہ اس کے

بغیر کسی اجتہاد پر لوگوں کا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس قانون کے لئے

عوام میں کوئی جذبات احترام پیدا ہو سکتا ہے۔ جو غیر صالح لوگوں کے اجتہاد

سے بنا ہو۔

اور اسی سلسلہ بیان میں آگے جا کر مزید فرمایا کہ
 "اجتہاد اور اس کی بنا پر ہونے والی قانون سازی کے مقبول
 ہونے کا انحصار جس طرح اس بات پر ہے کہ اجتہاد کرنے
 والوں میں اس کی اہلیت ہو۔ اسی طرح اس امر پر بھی ہے کہ یہ
 اجتہاد صحیح طریقے سے کیا جائے۔ مجتہد خواہ تعمیر احکام کر رہا ہو
 یا قیاس و استنباط بہر حال اسے اپنے استدلال کی بنیاد قرآن
 اور سنت ہی پر رکھنی چاہئے۔ بلکہ مباحات کے دائرے
 میں آزادانہ قانون سازی کرتے ہوئے بھی اس بات پر دلیل
 لانی چاہئے کہ قرآن و سنت نے واقعی فلاں معاملے میں
 کوئی حکم باقاعدہ مقرر نہیں کیا ہے۔ اور نہ قیاس ہی کے لئے
 کوئی بنیاد فراہم کی ہے۔ پھر قرآن و سنت سے جو استدلال کیا
 جائے وہ لازماً ان طریقوں پر ہونا چاہئے جو اہل علم میں مسلم
 ہیں۔ قرآن و سنت سے استدلال کرنے کے لئے ضروری ہے
 کہ ایک آیت کے وہ معنی لئے جائیں جن کے لئے عربی زبان
 کی لغت، قواعد اور معروف احتمالات میں گنجائش ہو۔ جو
 قرآن کی عبارت کے سیاق و سباق سے لگتے ہوئے ہوں
 جو اسی موضوع کے متعلق قرآن کے دوسرے بیانات سے
 متناقض نہ ہوں۔ اور جس کی تائید سنت کی قوی اور علی
 تشریحات سے بھی ملتی ہو۔ یا کم از کم یہ کہ سنت ان معنوں
 کے خلاف نہ ہو۔ سنت سے استدلال کرنے میں زبان اور
 اس کے قواعد اور سیاق و سباق کی رعایت کے ساتھ یہ بھی
 ضروری ہے کہ جن روایات سے کسی مسئلے میں استدلالی جاہلی
 ہو وہ قواعد علم روایت کے لحاظ سے معتبر ہوں۔ اس
 موضوع سے متعلق دوسری معتبر روایات کو بھی نگاہ میں رکھا
 گیا ہو۔ اور کسی ایک روایت سے ایسا نتیجہ نہ نکالا گیا ہو

جو مستند ذرائع سے ثابت شدہ سنت کے خلاف پڑتا ہو
 ان احتیاطوں کو ملحوظ رکھے بغیر من مانی تاویلات سے جو
 اجتہاد کیا جائے اسے اگر سیاسی قوت کے بل پر قانون کا تہ
 لے بھی دیا جائے تو نہ مسلمانوں کا اجتماعی ضمیر اس کو قبول
 کر سکتا ہے اور نہ وہ حقیقتاً اسلامی قانون کا جُز بن سکتا
 ہے۔ جو سیاسی قوت اسے نافذ کرے گی اس کے ہٹتے ہی
 اس کا قانون بھی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائیگا،
 اس موضوع پر شام کے مشہور عالم مصطفیٰ زرقا نے اپنے
 مقالہ میں تفصیلی کلام علی انداز بیان سے پیش کر کے فرمایا۔ کہ موجودہ
 دور میں انفرادی اجتہاد بہر حال خطرات سے خالی نہیں۔ اس لئے تمام
 نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں اہلیت اجتہاد رکھنے والے علمائے
 دین اور ماہرین شریعت کی ایک پوری جماعت باہمی اشتراک کے
 ساتھ اجتہاد و استنباط کیا کرے۔ اور مصر کے مشہور فاضل الأستاذ
 ابو زہرہ نے بھی اپنے مقالہ میں ایسی جماعت کی ضرورت کا ذکر کیا۔ اور
 فرمایا کہ تمام اسلامی ممالک کے اہل علم ایک ایسے ادارہ کی تشکیل کر کے
 ایسے مسائل پر غور و غرض فرمایا کریں۔ ان دونوں حضرات نے نہایت
 شدت کے ساتھ اس امر پر زور دیا۔ کہ ہم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے
 کہ اسلامی قوانین و احکام کو ان پر خود غلط اور آزاد منش لوگوں کا تختہ
 مشق بنائیں۔ جن میں نہ علم ہے نہ فہم دین، اور جن میں نہ تقویٰ ہے۔ نہ
 دین کے احکام پر عمل کرنے کا جذبہ۔ اور جو خود عربی زبان سے بھی
 پوری واقفیت نہیں رکھتے۔ اور وہ آج کل اسلام کو ایک بازیچہ کھان
 بنائے ہوئے ہیں۔ اور اپنی من مانی خواہشات کو اجتہاد کا نام دیتے ہیں
 اور خود مجتہد بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے اس موجودہ دور کے یہ خود ساختہ اور نئے مجتہدین
 جو اسلام کو اپنی خواہشات کے مطابق تاویل و اجتہاد کے خداد پر
 چڑھا کر بگاڑنا چاہتے ہیں۔ عموماً اس قسم کے اوصاف و شرائط اور

کھولنا چاہتے ہیں اور ہم نے جو کہ سے کم شرائط کا ذکر کیا ہے آپ آفران میں سے کسی شرط کو ساقط کر سکتے ہیں۔ آپ درانشاندہی کر کے یہ تو بتادیں کہ ان میں سے کسی شرط کو آپ غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر آپ خواہ خواہ اس پر ہمارا کرے ہیں کہ ہم تو یہ دروازہ ہر کسی کیلئے کھلا چھوڑتے ہیں تو مجھے یہ بھی تو بتائیے کہ جو اجتہاد بدرکار، بے علم اور مشتبہ نیت و اخلاص کے لوگ کریں گے اسے مسلمان پہنک کے حلق سے آپ کس طرح اتروائیں گے، اس کے علاوہ چند اور اہم مسائل زیر بحث آنے کے بعد طے ہوئے مثلاً یہ کہ

۱۔ مذہب اور سیاست کی تفریق رُوح اسلام کے منافی ہے۔
۲۔ احکام الہی کا نفاذ اسلامی حکومت کا فرض منصبی ہے۔
۳۔ اسلام نے اس علم کی جس کی بنیاد محض ظن و تخمین پر نہیں بلکہ یقین و مشاہدہ پر ہے نہ صرف یہ کہ حوصلہ افزائی کی ہے بلکہ اس کے حصول کی ہمیشہ ترغیب دی۔ اس لئے سائنس کے جو حقائق و مشاہدات اور نفس الامری مسائل ہیں اسلام اس کے لئے کبھی رکاوٹ نہیں بنا بلکہ مسلمانوں ہی نے اسلامی تعلیمات کی رُو سے ایجادات و اکتشافات اور علمی ترقیوں کی بنیاد رکھی ہے۔

۴۔ اسلام میں غیر صالح حکمران کو معزول کرنے کی واضح ہدایت موجود ہے۔
۵۔ انسان کو ہولناک تباہی سے صرف اسلام ہی بچا سکتا ہے۔

۶۔ اسلام کا قطعی عقیدہ یہ ہے کہ نجات صرف اسلام ہی میں ہے۔
۷۔ غیر مسلم مندوبین نے بھی اپنے مقالات میں اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اسلام نے اگرچہ بہت سے تہذیب و تمدن اپنے اندر جذب کئے اور بہت سے ملکوں اور قوموں کو فتح کیا ہے لیکن اس کے پیروں نے

پابندیوں پر چسپاں نہیں ہوتے ہیں اور اس کو اپنی آزاد روی کے لئے ایک سنگ گراں سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس مجلس مذاکرہ میں اس قسم کے مجتہدین کرام نے مجتہد کے لئے ان شرائط و اوصاف کی چلبندی پر اعتراض کیا۔ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرٹھ میں ہمارے ملک پاکستان کے وہ علماء و فضلاء تھے جن کو عربی زبان سے براہ راست اخذ و استفادہ کی اہلیت تک نہیں۔ اور وہ اپنے زعم میں آج امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے بھی بڑھ کر قرآن حدیث کی تعبیر و تشریح کر سکتے والے ہیں۔

چنانچہ ہمارے ہی ایک چیف جسٹس صاحب نے اپنے مقالے میں کہا کہ "اسلام میں طبقہ علماء کا وجود نہیں ہے۔" اس کے جواب میں مصر کے مشہور فاضل اور قانون اسلامی کے معلم الاستاذ ابو زہرہؒ نے فرمایا۔

"کہ یہ بات صرف چیف جسٹس تک محدود نہیں بلکہ عام حلقوں میں بھی اس قسم کی باتیں کہی جا رہی ہیں انہوں نے کہا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات بجلے خود صحیح ہے۔ لیکن یہ کلمہ حق کہہ کر لوگ اس سے باطل مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر تو ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور نبیؐ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص بذات خود اللہ سے تعلق قائم کر سکتا ہے۔ اور ہر شخص کو حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ کتاب و سنت کا علم حاصل کرے۔ تو یہ مطلب صحیح ہے اور اگر ان حضرات کی اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں علم حاصل کرنے اور اس میں تخصیص حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ہر شخص بلاوجہ بوجھ قرآن و سنت پر ہاتھ ڈال کر مانی تادیل کر سکتا ہے۔ تو یہ نہ صرف غلط ہے بلکہ نہایت ہی مذموم ہے۔"

مولانا مودودی صاحب نے بھی اس قسم کے معترضین کا تفصیل کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا۔

"کہ آپ اجتہاد کا یہ دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے کس طرح

کے نام سے اپنی بھڑاس نکال رہا ہو۔ اور اسلام کو مسخ کر کے کسی دوسری شکل و صورت میں پیش کرنا چاہتا ہو۔

ہمارے پاکستانی مہندوبین کے اس قسم کے مقالات، اور قرآن و حدیث سے ناواقفیت کے باوجود اسلام کی ترجمانی کی جسارت پرے جا پر اسلامی ممالک اور خصوصاً عربی ممالک کے نمابندوں کو بہت افسوس ہوگا اور وہ اپنے تاثرات پر قابو نہ لیا سکے۔

اپنے مذہب کو زبردستی کسی پر نہیں ٹھونس ہے اور نہ کی مقامی روایات معاشرت اور تمدن کو جو ان کے فقہ و مکتبوں میں رائج تھے مٹا دیا ہے۔ بلکہ انہوں نے ہر مذہب کو ان کے اصول و روایات کے مطابق آزادی دی ہے کہا جاتا ہے کہ پاکستان دنیائے اسلام میں سب سے بڑی اسلامی

افسونناک صورت حال

مملکت ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس مجلس مذاکرہ میں پاکستان کے نمابند سے زیادہ بہتر طریقہ سے اسلام کی ترجمانی کرتے۔ اور اسلامی نظریات کی صداقت و حقانیت پر دلائل و براہین پیش کرتے۔ اور غیر مسلم ممالک سے آئے ہوئے مندوبین اور مشرقین کے سامنے نہایت جرأت کے ساتھ اسلام کو اپنے اصلی رنگ میں پیش کرتے۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مذاکرہ کے متفقین نے اس علمی مجلس میں شرکت کے لئے پاکستان کے جن ماہرین علماء و فضلاء کو دعوت دی تھی انہوں نے اس سلسلہ میں مملکت پاکستان اور یہاں کے کوڑوں مسلمانوں کو دوسرے اسلامی ممالک کے مندوبین کے سامنے شرمندہ و رسوا کر دیا۔ اخبارات کی روایت ہے کہ ہمارے ان ماہرین ترجمانان اسلام میں سے بعض مقالہ نگاروں نے اپنے مقالوں میں درج کردہ آیات کو بالکل غلط پڑھا۔ اور بعض نے آیات پڑھی ہی نہیں اور صرف ترجمے پر اکتفا کیا۔ اور پھر اپنے مقالات میں جن قسم کے خیالات کا اظہار کیا اس سے صاف معلوم یہ ہوتا تھا کہ ان حضرات میں خود قرآن و حدیث اور آئمہ دین کے ارشادات سے کچھ اخذ و استفادہ کی اہلیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف مستشرقین کی ملامت کا مطالعہ کر کے ان کی تحقیقات کو اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں۔ ڈھاکہ کے چودھری غلام واحد اور لاہور کے ڈاکٹر داؤد پرہر کے مقالات تو خاص طور سے یوں معلوم ہو رہے تھے جیسا کہ کوئی اسلام اور علماء دین سے بغض رکھنے والا غیر مسلم مشرقی علمی تحقیق

ڈاکٹر داؤد پرہر کے مقالہ پر مصر کے مشہور فاضل الاستاذ ابو زہرہ نے نہایت مفصل اور تند و تیز لہجہ میں مدلل تنقید کی۔ جس کی تائید میں شام۔ ڈاکٹر مبارک نے کہا کہ یہ مقالہ انتہائی زہر آلود ہے۔ اور اس میں اسلام کو اساس کو ڈھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس لئے یہ مقالہ واپس لے لے جائے۔ اور شام کے مشہور فاضل احمد مصطفیٰ نے قدامت فرمایا کہ اس مجلس مذاکرہ میں اسلام کی اسی چیزوں کو زیر بحث لانے کی اجازت ہرگز دی جائے۔ مصر کے ممتاز عالم ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے بھی اس کی تائید کی۔ اسلامی ممالک کے مندوبین ان حضرات کے مقالات اور خیالات سن کر ہمارے ملک اور یہاں کے مسلمانوں کے ہائے میں نہایت بُری رائے قائم کر اگر خوش قسمتی سے ان چند علماء کرام سے ان کی ملاقات اور گفتگو نہ ہوئی جن کو گروہ اس مجلس میں شامل کرنا پڑا تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا امین حسن اصلاحی، مولانا مفتی محمد شفیع، ظفر احمد انصاری کے مقالات اور ان حضرات کی تنقید و تبصرہ سے انہوں (باقی صفحہ پر)

نصیب فرمائی۔ تو جو بھول میں خامی تبدیلی نظر آئی۔ دین کے بائیس میں جو ایڈیسی اور احسان بہتری نظر آتا تھا اس میں فرق مائع ہو چکا تھا۔ جب واقفیت برسی تو معلوم ہوا کہ یہ تحریک اخوان کا نتیجہ ہے۔ اور حجاز کے بعض نوجوان ادیبوں نے اس کا اعتراف کیا کہ اگر حسن البنا کی شخصیت اور ان کی دعوت سے ان کو متعارف ہونے کا موقع نہ ملتا تو وہ اتحاد کاشکار ہو چکے تھے۔ اسلام کی طرف دلچسپی شیخ حسن البنا کی پرائز شخصیت اور اس زمانے کی دینی دعوت کا نتیجہ ہے۔

۱۹۵۷ء میں جب مصر کا سفر پیش آیا۔ تو مجھے اس کی شدید خواہش تھی کہ اس تحریک کا مطالعہ کروں اور اس کے متعلق براہ راست معلومات حاصل کروں۔ شیخ کے پڑنے رفیقوں، ان کے معتمدین اور ان کے تربیت یافتہ نوجوانوں سے ملاقات کروں اور اس عظیم الشان دعوت کے اصول و مبادی، اور اس کی کامیابی کے اسباب معلوم کروں میری خوش قسمتی سے اس وقت شیخ کے تمام پڑنے رفقاء و شرکاء کا رادہ ان کے تلامذہ و حلقہ احباب کے خواص موجود تھے۔ میری عربی تصنیف "ماذا خسر العالم بالخطاط المسلمین" جو میرے سفر مصر کے چند ہی مہینے قبل شائع ہوئی تھی اخوان کے حلقے میں کثرت سے پڑھی گئی تھی۔ اور اخوان نے اپنی روایتی فرائد لی اور بے نقصی سے اس کو اپنے مخصوص تبلیغی لٹریچر میں جگہ دی تھی۔ یہ کتاب میرا ذریعہ تعارف تھی، پھر ہندی مسلمان ہونا اور ایک معروف ادارے سے تعلق رکھنا اخوان کے لئے (جو عالم اسلامی کی وحدت اور تعارف و تعاون کے سب سے بڑے داعی ہیں) کافی وجہ کشش تھی۔ جہاں تک شیخ کے متعلق تاریخی و شخصی معلومات کا تعلق تھا اس کے لئے سب سے زیادہ مستند اور قابل اعتماد ذریعہ ان کے والد محترم شیخ احمد عبدالرحمن البنا کی ذات تھی جنہوں نے ازراہ شفقت بزرگانہ اپنے قابل فخر و ذریعہ نجات فرزند کے متعلق تمام ضروری و جزوی معلومات فراہم کیں۔ ان کے علاوہ شیخ کے رفیق درس و شرکاء کا

اور اخوان کے مربی استاذ ہی الخولی (صاحب تذکرۃ الدعاة) اس عاجز کے مخصوص دوستوں اور کرم فرماؤں میں تھے۔ انہوں نے بحیثیت ایک دوست رفیق مشاہد و محاصر کے اپنے مشاہدات، معلومات اور تاثرات سنائے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ ان چند نوجوانوں سے بھی ملاقات ہوئی جو شیخ کے معتمد خاص ہیکٹر ٹری اور دوست راست رہ چکے تھے۔ مثلاً استاذ صالح عثمانی مدیر المدعوۃ، استاذ ہنر و لہجہ ہانی کوثر، استاذ عبدالکیم عابدین، استاذ سید رمضان، ان اصحاب شیخ کی زندگی اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے متعلق مستند معلومات حاصل ہوئیں۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ ان حضرات سے ملنے کے بعد شیخ کی زیارت سے کئی طرح پر محسوس نہیں رہی۔

ان اصحاب سے جو کچھ سنا اور خود شیخ کے جو اثرات دیکھے اس سے اس بات کا یقین پیدا ہوا کہ ان کی شخصیت تاریخ کی ان غیر معمولی شخصیتوں میں سے تھی جن کو اللہ تعالیٰ کسی تحریک و دعوت کو چلانے اور کسی عہد میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے پیدا فرماتا ہے۔ اور اس کی قیادت کی وسیع اور متنوع صلاحیتیں عطا فرماتا ہے۔ وسیع درویشن دماغ، گرم و پرجہت و درد مند دل۔ فصیح و بلیغ زبان، تسخیر کر لینے والے اخلاق، دلایہ و شخصیت، یہ ان کے عناصر ترکیبی تھے۔ میں جب اقبال کا یہ شعر پڑھتا ہوں تو بے ساختہ شیخ حسن البنا کی شخصیت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے ان ہی کو دیکھ کر کہا ہے۔
نگہ بند، سخن دلنواز، جان پر سوز۔ یہی ہے رختِ سفرِ میر کا راز کیلئے
یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سید جمال الدین افغانی کے بعد عالم اسلام میں اور خصوصیت کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں شیخ حسن البنا سے زیادہ طاقتور اور عہد آفرین شخصیت پیدا نہیں ہوئی۔ بعض حیثیتوں سے ان کو سید جمال الدین پرکھلی ہوئی فوقیت حاصل ہے۔ سید جمال کا اثر علمی سیاسی حلقے میں محدود رہا۔ اور انہوں نے کوئی ایجابی اسلامی تحریک نہیں

قوتِ عمل

ب۔ اس تحریک نے ایک ایسی قوم اور سوسائٹی میں جو مغربی تہذیب اور تمدنِ جدید کی خرابیوں سے پورے طور پر متاثر ہو چکی تھی اور اس سے پہلے ترکی سلطنت اور شخصی حکومت کے اثرات سے متاثر رہ کر "طبۃ مترفین" میں شامل ہو چکی تھی، ایسی قوتِ عمل، جذبہِ سرفروشی، سادگی و جفاکشی پیدا کر دی جس کی نظیر اس زمانے میں ملنی مشکل ہے۔ خود اس کے ایک راہنما قائد (شیخ علی الخولی) کے الفاظ میں ایک نیم و نازک قوم "الشعب الرخوالو القیتی" میں اس نے ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اور گویا اقبال کے اس خیال اور تمنا کو پورا کیا۔

• کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پھیل گیا۔

ان کی اس قوتِ عمل، جذبہِ سرفروشی اور عقابانی شان دیکھنے کے لئے

استاذِ کامل الشریف کی کتاب "الاخوان المسلمون فی حرب

فلسطين" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

دوسری چیز جس نے مجھے متاثر کیا وہ

محبت و گرم جوشی

اخوان کی محبت و گرم جوشی اور ان کے

آپس کے تعلقات ہیں۔ اتنا مستحکم رشتہ اخلاص و مودت اور ایسا جاس

اخوت و رفاقت میں نے کم دعوتوں اور جماعتوں میں دیکھا ہے۔ اخوان

کی تحریک نے ایک ایسی عالمگیر بھائی بھائی پیدا کر دی جس کا ہر فرد دوسرے فرد

کو اپنا حقیقی بھائی سمجھتا ہے اور بغیر کسی جماعتی عصبیت و حمیتِ جاہلیہ کے

اس کی مدد و حمایت کے لئے تیار رہتا ہے۔ کسی مصری اخبار نے ایک مرتبہ

طنز کے طور پر لکھا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ انتہائی اعتراف ہے کہ اگر

شیخِ حسن البنا کو اس گندہ میں چھینک آئے تو اسواں (مصر کی جنوبی

سرحد) میں یہ حمدِ اللہ کی صدائیں بلند ہوں۔ نہ صرف اپنے مرشدِ عالم

بلکہ ہر رفیقِ جماعت کے لئے ان کا یہی جذبہ اور طرزِ عمل ہے۔ وہ عام طور

پر ایک دوسرے سے تعارف ان ہی الفاظ میں کرتے ہیں اخوان فی

اللہ، فلان" ان کے طرزِ عمل اور سلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس

سلو اور جماعت کے لئے "اخوان" کی مخصوص اصطلاح ہے۔

چلائی۔ لیکن حسن البنا نے عالمِ عربی کے ہر طبقے پر اثر ڈالا۔ اور بیسویں صدی کی سب سے بڑی ہم گیر تحریک چلائی۔

بدستی سے جس زمانے میں میرا قیام مصر میں تھا اخوان کی تحریکِ خلافت

قانون تھی۔ اور ان کے اجتماعات نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن اس اعتماد کی بنا پر

جو ان کے ذمہ داروں کو میری حقیقتات پر پیدا ہو گیا تھا مجھے ان کی

مخصوص مجلسوں میں شرکت کی عزت حاصل ہوئی۔ مجھے ان کے حالات

خیالات سننے اور اپنے ناچیز خیالات پیش کرنے کا موقع ملا۔ ایک مخصوص

مجلس میں جس میں اخوان کی مجلسِ انتظامی کے ارکان اور دل و دماغ موجود

تھے مجھے منضبط طور پر اپنے خیالات و تجربات پیش کرنے کا موقع ملا۔

اخوان نے ان کی جس درجہ پذیرائی کی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا

ہے کہ انہوں نے اس کو علیحدہ رسلے کی شکل میں شائع کیا۔ اور جب

تک اخوان کی تحریک دوبارہ خلافتِ قانون قرار نہیں دی گئی اس کے

تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس رسلے کا نام ہے "الایدان اتحدت

الی الاخوان" (اخوان سے دو دو باتیں) مجھے کسی دینی و سیاسی جماعت

کے متعلق اتنی فراخ دلی اور عالی نظری کا تجربہ نہیں ہو سکا۔

اسی زمانہ قیام میں مجھے شیخ محمد

الفرالی کی میت میں (جو اخوانی

لیڈر کے بڑے مصنفین میں ہیں) مصر کے قصبات اور دیہاتوں میں بارہا

جانے کا اتفاق ہوا۔ ہر جگہ اخوان کے دینی جوش و خروش، ہمان توازی

اور اسلام دوستی، محبت و اخلاص اور بے تعصبی و وسیع النظری کے ایسے

منظر دیکھے جو ساری عمر یاد رہیں گے۔ اور جن سے شیخِ حسن البنا کی تربیت و

تاثیر اور ان کی مردم گردی اور سیرت سازی کا اندازہ ہوا۔ اور معلوم ہوا

کہ اس شہدِ بجا نے کتنی ایمانی حرارت پیدا کر دی ہے۔ اس تحریک کے

مطلے۔ ہر لوگ اس سے متعلق تھے ان کو قریب سے دیکھنے کے بعد میں

خاص طور پر جن پہلوؤں سے متاثر ہوا ہوں وہ حسبِ ذیل ہیں۔

اس متحدہ محاذ کے خلاف کسی دینی جماعت حتیٰ کہ از سر تک میں آواز بلند کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ انھوں نے مخالفین کو بھی اعتراف ہے کہ انھوں نے تحریک نے اس مورچے کو کمزور و غورزدہ کر دیا۔ اتحاد کی علانیہ دعوت دینے اور دین کے استخفاف کی جرأت بڑے بڑے زعماء ادب کو نہ رہی۔ انھوں نے غیور و جوانوں اور صاحب حیثیت مسلمانوں کا ایک ایسا لشکر پیدا کر دیا کہ محمد بن کعبہ لہذا خیالات و تصنیفات کی اشاعت اور اخبارات اور رسالوں کو دین و اسلامی تہذیب کے ساتھ متنفر و استہزا کی جرات باقی نہ رہی۔ پھر اس کے ساتھ اس نے

اسلام پسند ایہوں، ناقدین و اہل قلم اور ماہرین فن کی ایسی جماعت پیدا کی جو علمی و فنی طور پر ان علاحدہ کا مقابلہ کر سکیں۔ اور اسلامی ادب کو پیش کریں۔ انھوں نے کاہنہ کا زنا نامہ اتنا بڑا کا زنا نامہ ہے کہ کوئی شخص جس کے دل میں نور ایمان ہے اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ راقم سطور کے سامنے چونکہ ان ممالک کی سابقہ زندگی اور موجودہ دینی و فکری انقلاب ہے اور اس کو اپنے طویل قیام کی بنا پر اس کا تجربہ و مشاہدہ ہو چکا ہے کہ انھوں نے جدید کے دل و دماغ کو کس طرح متاثر کیا ہے اور دین و مشائخہ دین کے اظہار و اعلان کی کیسی جرأت پیدا کر دی ہے۔ اور جو لوگ دینی مظاہر و مشائخہ دینی عقائد و حقائق کے اظہار میں شرمندگی اور حقارت محسوس کرتے تھے اب کس طرح علانیہ منظر عام پر دینی فرائض و مشائخہ کو ادا کرتے ہیں۔ اور احساس کمتری کے بجائے برتری کا احساس رکھتے ہیں۔ ان ذاتی مشاہدات و تجربات کا نتیجہ تھا کہ میری زبان سے ایک تقریر میں انھوں نے متعلقہ سرائے یہ الفاظ نکل گئے۔ "لا یحبہم الا مومن ولا یبغضہم الا منافق" (انھوں نے ای کو محبت ہوگی جس کے دل میں ایمان ہے۔ اور ای کو نفرت ہوگی جس کے دل میں نفاق ہے)

ایک لغزش واقعہ یہ ہے کہ اگر انھوں نے کچھ عرصہ اور علمی سیاست میں حصہ نہ لیتے (یا اس علمی سیاست میں انھوں نے حصہ نہ لیتے) اور اپنا اصلاحی و دعوتی کام پوری قوت سے جاری رکھتے تو ممالک عربیہ میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو جاتا۔ اور ایک نئی زندگی پیدا

اخوت فی اللہ پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عوامی زندگی تیسرا پہلو جس نے مجھے بہت متاثر کیا یہ ہے کہ اس تحریک کا زندگی سے قریبی تعلق ہے۔ وہ زندگی سے بچ کر نہیں بھٹکتی بلکہ اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ عوام سے اور علی زندگی سے اس کا تعلق ہے اس نے عوام کی زندگی میں دخل دیا ہے۔ اس کی خواہشوں کی اصلاح کی ہے۔ اور قدم قدم پر اس کی مدد کی کوشش کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی کامیابی اور مقبولیت و تاثیر میں اس کو بڑا دخل ہے۔

گردہ بی تعصب سے بلند بالا اس کا چوتھا روشن پہلو یہ ہے کہ اس نے دینی و علمی اختلافات سے بچ کر کام کیا۔ یہ چیز اس کے کمزور پہلوؤں میں بھی شمار کی جاسکتی ہے مگر عالم اسلام کے موجودہ دینی و اخلاقی زوال، اتحاد و زندگی کے حملے اور مسلمانوں کے ذہنی انتشار کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ ایک اسلامی دعوت کے لئے خوش قسمتی بھی جائے گی کہ وہ اپنا وقت اور قوت نہیں اصلاحی و تعمیری کام اور اساسی دعوت کے فروغ میں لگائے۔

اتحاد کی کامیاب مخالفت انھوں نے تحریک کا سب سے کامیاب اور روشن پہلو یہ ہے کہ اس نے مصر (اور اس کی پیڑی میں ممالک عربیہ) کے بڑھتے ہوئے اتحاد اور لادینیت کے دھارے کو روکا۔ اور دین کے استخفاف و بے وقعتی اور ذہنی ازدواج و بنات کا جو رجحان روز افزوں تھا اس پر اثر انداز ہوئی۔ جو لوگ مصر کی صحافت و ادب کے واقع ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس ملک میں دین کے خلاف ایک منظم سازش اور کوشش تھی۔ مصر کے ایہوں اور صحافیوں، مصنفین و باحثین سب نے دین کے خلاف ایک محاذ بنا رکھا تھا۔ اور انقلاب فرانس کے علمبرداروں کی طرح وہ پوری مصری اسلامی سوسائٹی کو اپنے "ترقی پسند" ادب اپنے "شک آفرین خیالات و تحقیقات" اپنے طنز و تمسخر سے ڈابنا میٹ کر رہے تھے۔ اور یوٹی بعضہم الی بعضہم نہ خروفا لفظوں غرور و غرور کا مصداق تھے۔

انجام دی۔ اور ایک ایسی کتاب کا انتخاب کیا جو میرے علم میں اس موضوع پر سب سے زیادہ پُر از معلومات اور خوش سلیقہ کتاب ہے۔ اس کتاب کے اخوان کی قوتِ عمل، حسنِ تنظیم اور کارکردگی کی صلاحیت کا اندازہ ہو گا۔ اور معلوم ہو گا کہ انہوں نے مصری سوسائٹی پر کیا اثر ڈالا۔ اور اپنی حُسنِ خدمت اور تعمیری کاموں کی صلاحیت کا کیسا نمونہ پیش کیا۔ مولوی رضوان علی صاحب اخوانی حلقوں سے بہت قریب رہے ہیں۔ انہوں نے سال بھر کے قریب مصر میں قیام کیا ہے اور وہ دور بھی دیکھ چکے ہیں جب اخوان کی تحریک دعوتِ آنا د اور میدان میں تھی۔ پھر جب جمال عبدالناصر کی عنایت سے وہ سختی سے پھیل دی گئی۔ مولوی رضوان علی صاحب کو عربی اور اردو دونوں پر قدرت ہے۔ اپنے ذاتی معلومات، رجحانِ طبع اور اپنے مشگفتہ ادبی ذوق و سلیقہ تحریر کی بنا پر وہ اس کام کے لئے ہر طرح موزوں تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ پہلی مرتبہ اردو میں ایک ایسی مستند کتاب اس تحریک کے متعلق شائع ہو رہی ہے۔

امید ہے کہ اس کا مطالعہ اسلامی کام کرنے والوں کے لئے دلچسپ بھی ہو گا، مفید و پُر از معلومات بھی، اور چشم کشا و رہنما بھی۔ وما توفیق الا من عند اللہ۔ (ابوالحسن علی ندوی)

ہو جاتی۔ مجھے مستند اور باذوق و مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں شیخ حسن البنا کو خود اس کا شدید صدمہ اور قلق تھا۔ کہ ان کو قبل از وقت سیاسی میدان میں اُترنا پڑا۔ اور ان کا دامن ان کاٹوں سے اُچھ گیا۔ ان کو اس کی بڑی ممتا تھی۔ کہ ان کو پھر خالص دعوتی و تربیتی کام کا موقع ملے۔ اور وہ جماعتِ جمہورِ مسلمین میں وہ استعداد پیدا کر لیں جس کے بعد وہ ہر طرح کی ذمہ داری کو پورا کر سکیں۔ اور ہر امتحان آزمائش سے گزر سکیں۔

مصر سے واپسی کے بعد میری آرزو رہی کہ اخوان کی تحریک کے متعلق مفصل و مستند معلومات ہندوستان میں شائع ہوں۔ اور ان کا صحیح تعارف کرایا جائے۔ ہندوستان میں اس تحریک و دعوت کے متعلق بڑی غلط فہمیاں اور بڑی ناقص معلومات ہیں۔ ضرورت تھی کہ اس عظیم تحریک و دعوت، اس کے ارتقائی مدارج، اس کے طریق کار، اور اس کے نتائج کے متعلق کوئی مستند کتاب شائع ہو۔ جس سے اسلامی دعوت کا کام کر نیوالے استفادہ کریں۔ اور کم سے کم مخالف و موافق اس تحریک کے ساتھ (جو عصرِ حاضر کی بڑی مظلوم تحریکوں میں ہے) انصاف کر سکیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہ عزیز میری مولوی سید رضوان علی ندوی نے یہ خدمت

مجلس مرکزی حزب الانصار بھیرہ کا اٹھایا سوال سالانہ

جلال عظیمی

بمقام جامع مسجد بھیرہ

مورخہ ۱۴-۱۵-۱۶ مارچ ۱۹۵۸ء مطابق ۲۲-۲۳ شبان ۱۳۷۷ھ موافق ۱-۲-۳ رحبت ۱۴۰۲ بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار، جس میں پاکستان کے نامور و مقتدر علمائے کرام و مشائخ عظام دُور دراز سے تشریف لاکر اپنے خیالاتِ عالیہ سے ستیفیض فرمائیں گے۔ بڑے اشتہار میں مفصل بیان کیا جائے گا۔ شائقینِ ان تاریخوں پر شامل اجلاس ہو کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ اور بڑا اشتہار خط لکھ کر مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل فرمائیں۔ (الامی :- افتخار احمد بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ (پاکستان)

ایک نمبر دل آدین کی صورت میں ہر وقت اُس کی زبان پر جاری ہو۔ اور وہ اپنے عمل سے اس اعلان کی صداقت کی شہادت دے۔ کہ

نہ افغانیم دنے ترک و تماریم
چمن زادیم وازیک شاخساریم
تیز رنگ و بُو برما حرام است
کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

جو سیاست باز اور فتنہ گر آج ہمارے اس اسلامی مملکت میں نسل و زبان کی بُنا دوں پر تفریق و انتشار پیدا کرنا اور ملک کو پارہ پارہ کر کے کسی دشمن کے لئے لقمہ تر بنانا چاہتے ہیں۔ اور کبھی بنگالی قومیت کا اور کبھی پٹھان قومیت کا اور کبھی بلوچ قومیت کا اور کبھی راجپوت اور جات قومیت کا نعرہ بلند کر کے مسلمانوں کو باہم لڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر مسلمان بھی کہلاتے ہیں اس قسم کی ذہنیت رکھنے والوں کو اقبال مرحوم اپنی خاص ادائیں یوں خطاب فرما کر سمجھاتے ہیں کہ

تو لے کودک منش خود را ادب کن
مسلمان زادہ ترک نسب کن
بر رنگِ اہر دخن درگ و پوست
عرب نازد اگر ترکِ عرب کن

اور ساتھ ہی فرمایا کہ

گر نسب را حُسنِ دولتِ کردہ
رستمہ در کارِ اخوتِ کردہ

اسود داحمر اور عربی عجم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے رسولؐ نے فرمایا ہے۔ لا فضل لہربنی عبدی ولا لعربی علی عسری
الآبدین و تقویٰ
کسی عربی کو عربی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر دینداری اور تقویٰ کے بغیر اور کوئی وجہ فضیلت و برتری نہیں

اسلام کے نظریے۔ باقی آپس میں غیر فریمین۔ اور اُن میں ربط و ضبط اور الفت و محبت نہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے مسلمانوں کو یہ نمونہ ہدایت بہترین طریقہ سے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں توئم رسولِ ہاشمی
اُن کی جمیعت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمیعتِ تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمیعتِ کہساں
اور جمیعتِ ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

اور علامہؒ نے بہ کثرت اپنے اشعار میں اس نظریے کو پیش کیا اور سمجھایا ہے۔ کہ مسلمان اپنی قومیت کا اساس مذہب کو قرار دیں اور بُتِبانِ رنگ واد و نسل و زبان کو توڑ کر اسی ایک وحدت میں گم ہو جائیں۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ ایک ایسے پاکستان کی تشکیل چاہتے تھے جس میں رہنے والے مسلمان صرف مسلمان کی حیثیت سے رہیں اور سب کے سب مذہب کے اس مقدس رشتہ اور مستحکم رشتے کے ذریعہ آپس میں یک جان ہو کر جڑے رہیں اور وہ ان مصنوعی امتیازات کو کوئی وقعت نہ دیں۔ نہ وہ بنگالی اور اردو، یا پشتو اور سندھی کے جھگڑے کھڑے کریں۔ اور نہ وہ وطنیت کے پجاری بن کر بنگالی، پنجابی، سندھی، سرحدی اور بلوچستانی بن کر آپس میں ٹکرائیں اور نہ نسل و خون کی غلط بنیادوں پر افتادوں، بلوچوں، جاتوں، راجپوتوں، اعوانوں، اراکیوں، سیدوں اور شیخ زادوں کی علیحدہ علیحدہ گروہ بندیاں اور پارٹی بازیاں ہوں۔

بُتِبانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تو رانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
گویا علامہ اقبالؒ چاہتے ہیں کہ ہر پاکستانی مسلمان کا اس اسلامی ریاست میں دل کے یقین و اعتقاد کے ساتھ یہ نعرہ ہو اور یہ

مولانا امین احسن اصلاحی

ایک تقریر

پاکستان میں اسلامی قانون کی تدوین

مولانا امین احسن اصلاحی نے ڈسٹرکٹ بورڈ ہال لاہور میں مندرجہ بالا موضوع پر ۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء کو تقریر کی ہے۔ مولانا موصوف چونکہ لاء کمیشن کے ایک رکن ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں ان کے خیالات سے تمام مسلمانوں کو واقفیت حاصل ہو۔ اس لئے یہ تقریر "شمس الاسلام" میں شائع کی جاتی ہے۔ (مرتب)

حمد و ثنا کے بعد۔

محترم صدر و حاضرین! میری آج کی تقریر کا موضوع ہے "پاکستان میں اسلامی قانون کی تدوین"۔ یہ بات آپ کو معلوم ہی ہے کہ پاکستان کے دستور میں یہ بات طے کی جا چکی ہے کہ یہاں اسلامی قانون رائج ہوگا۔ اور اس کی بنیاد کتاب سنت پر ہوگی۔ اور جو غیر اسلامی قوانین اس وقت نافذ ہیں انہیں اسلامی قوانین سے بدل دئے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی دستور میں طے ہوئی تھی کہ صدر ریاست ایک سال کے اندر اندر ایک لاکھ تین مقرر کرے گا اس کمیشن کا کام یہ ہوگا کہ وہ پانچ سال کے اندر اندر اسلامی قانون کو ایسی شکل میں مرتب و تدوین کرے کہ مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے لئے قانون سازی کا کام آسان ہو جائے۔ چنانچہ کمیشن بھی مقرر ہو چکا ہے۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو سمجھا جائے۔ کہ اسلامی قانون کی ترتیب و تدوین کا مطلب کیا ہے۔ اس کی کیا اہمیت ہے اس مسئلہ کے کیا کیا پہلو ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہماری اور آپ کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر میں آج اس موضوع پر تقریر کر رہا ہوں۔

جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں مروجہ انسانی قانون کی طرح اسلام کا بھی ایک قانون ہے۔ اور اپنے پہلے لیکچر میں میں نے انسانی قانون اور

اسلامی قانون کا فرق بھی واضح کیا تھا۔ لیکن شاید یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ اسلامی قانون اس شکل میں تدوین نہیں ہے جس شکل میں ضابطہ توحیداری یا ضابطہ دیوانی تدوین ہے۔ اس لئے کسی حکومت، اسمبلی یا عدالت کے لئے اس وقت تک اسلامی قانون کے مطابق کام چلانا یا فیصلے کرنا مشکل ہے جب تک اسے باقاعدہ قانون اور ضابطہ کی شکل میں تدوین نہیں کر دیا جاتا۔

مثلاً قرآن میں اگرچہ احکام و قوانین ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں قصص بھی ہیں، امثال بھی اور اس میں عبادات اور اخلاق کے بارے میں ہدایات بھی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف احکام اور قوانین ہی بیان کئے گئے ہیں۔ پھر یہ ہے کہ آیات کی تفسیر و تادل میں اختلافات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ عدالتوں اور حکومتوں کی ضرورت کے لئے تو واضح اور مرتب شکل میں ایک ضابطہ ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر کسی عدالت یا حکومت کے لئے قرآن سے فائدہ اٹھانا آسان نہیں ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو لے لیجئے۔ ان احادیث میں بھی قانون کا ایک حصہ موجود ہے۔ یہ مجموعہ بھی مرتب اور تدوین کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں انسانی زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق بھی بہت سے احکام دیئے گئے ہیں۔ اب جب تک قانون سے متعلق

اس مسئلہ پر کافی اختلاف ہے کہ قانون مدون و مرتب شکل میں مفید ہے یا غیر مدون شکل میں۔ ہم اپنے ملک کے لئے یہی مفید سمجھتے ہیں کہ یہاں مدون ضابطہ ہو۔ تاکہ فیصلوں اور قانون سازی میں آسانی پیدا کی جاسکے۔

تدوین کی تاریخ

اب میں سب سے پہلے اسلامی قانون کی تدوین کے سلسلہ میں آج تک مختلف ادوار میں جو کام ہوئے اس کی طرف اشارہ کر دینگا۔ تاکہ آپ حضرات تدوین کے تقاضوں سے اور اسلامی قانون کی تدوین کی تاریخ سے کسی حد تک واقف ہو سکیں۔

شروع شروع میں اسلامی حکومت کے حکام اور جوں کے پیش نظر صرف یہ رہتا تھا کہ ہر معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لئے قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر یہاں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو تو پھر اجتہاد سے کام لیا جاتا تھا۔

چنانچہ ماذن جبلؑ کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی مقرر کیا تو ان سے آپؐ نے سوال کیا کہ آپؐ لوگوں کے معاملات طے کرنے کے لئے کیا کریں گے۔ حضرت ماذنؓ نے جواب دیا کہ میں عام معاملات کا تصفیہ قرآن پاک کی ہدایات کے مطابق کر دینگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر قرآن پاک سے کسی خاص معاملہ میں واضح راہ نہ ملے تو پھر آپؐ کیا کریں گے۔

حضرت ماذنؓ نے کہا میں سنت کے مطابق فیصلہ کر دینگا۔

آپؐ نے پھر سوال کیا کہ یہاں بھی واضح ہدایت موجود نہ ہو تو؟ ماذنؓ نے جواب دیا میں ایسی صورت میں اجتہاد سے کام لوں گا۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ خدا کے رسولؐ کے رسولؐ کو بھی صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

قاضی شریع کا واقعہ

اسی طرح ایک واقعہ قاضی شریع کا بھی سن لیجئے۔ جب انہی حضرت

احادیث کا مجموعہ الگ مرتب و مدون نہ کر دیا جائے اس وقت ان سے فائدہ اٹھانا آسان نہیں ہوگا۔ پھر احادیث کے درجہ کے بارے میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی طے کرنا پڑیگا۔ کہ کوئی روایت صحیح ہے، کوئی قوی ہے اور کوئی ضعیف ہے پھر اس میں تاویل کا اختلاف بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ کسی فقیہ کا کچھ اختلاف اور کسی کا کچھ اختلاف کی صورت میں کس نکتہ نظر کو ترجیح دینا ہے۔ یہ مسئلہ بھی حل طلب ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ترتیب تدوین کا یہ کام ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس فن سے عہدہ برآ ہونا بہت بڑا کام ہے۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ اسلامی فقہ میں چار مکاتب فکر پائے جاتے ہیں۔ فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، اور فقہ حنبلی۔ پھر ایک ایک فقہ سے تعلق رکھنے والے علماء میں بھی بعض اختلافات موجود ہیں مثلاً فقہ حنفی کے بارے میں بعض متاخرین اور متقدمین کی رائے میں اختلافات موجود ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں عدالتوں اور حکومتوں کے لئے ان سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس سے آپ پر یہ ضرورت واضح ہو گئی ہوگی کہ حکومت اور عدالت کے لئے مدون ضابطہ ہی ضروری ہے قانون سازی کے لئے بھی اور اسلامی قانون کے مطابق فیصلے صادر کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اسلامی قانون کو باقاعدہ مرتب مدون شکل دے دی جائے تاکہ پاکستان کے قیام کا مقصد بھی حاصل کیا جاسکے اور اسلامی قانون کو باقاعدہ نافذ بھی کیا جاسکے۔

تدوین ضروری ہے

آج کے زمانہ میں انگلستان اور امریکہ ایسے ترقی یافتہ ممالک کے قانون کے بلے میں آپ جلتے ہیں کہ ان کے ہاں قانون باضابطہ شکل میں مدون نہیں ہے۔ جیسا کہ میں اپنے پہلے لیکچر میں بیان کر چکا ہوں۔ انسانی قانون آگلوں کے فیصلوں، نظائر، اور روایات وغیرہ پر مبنی ہے۔ یورپ میں یہ قانون نہیں کے عہد سے مدون شکل میں سامنے آیا ہے۔ اور اس کے بعد مختلف ممالک نے اپنے اپنے قوانین مدون کئے ہیں۔

یہ تجویز پیش کی کہ آپ اہل مدینہ کے امام ہیں آپ اسلامی قانون کو ایک ایسی شکل میں مدون فرمادیں جو تمام ممالک اسلامیہ میں جاری کر دیا جائے اور ہر ملک کی عدالتیں اسی کے مطابق فیصلے کریں۔ امام مالکؒ اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے خلیفہ ابو جعفر منصور کے کافی اصرار کے باوجود امام مالک اس سے ہجکتے رہے۔ وجہ غالباً یہی ہوگی کہ امام مالکؒ نے اتنی بڑی ذمہ داری قبول کرنے سے احتراز ہی مناسب سمجھا۔ امام صاحب جانتے تھے کہ خلیفہ وقت چونکہ منظوری (SANCTION) کے اعتبارات رکھتا ہے اور مجھ سے خلیفہ کو عقیدت بھی ہے اس لئے میں جو کچھ مرتب کر کے دیکھا یہ اسے نافذ کر دے گا۔ اور اگر کسی غلط ضابطہ پر عقیدت کے باعث خط نسخ نہ پھرا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی۔ اس دور میں اس قسم کی صورت ممکن نہ تھی کہ علماء کا بورڈ مقرر کر کے اس سے یہ کام لے لیا جاتا۔

ہارون رشید کا دور

چنانچہ خلیفہ ہارون رشید نے بھی اپنے دور میں یہی تجویز امام مالکؒ کے سامنے پیش کی۔ اور ان کے شدید اصرار پر امام مالکؒ نے اسلامی قانون کو مرتب کرنا شروع کیا۔ جس کے نتیجے میں اسلامی فقہ کی مشہور کتاب موطا مرتب ہوئی۔ اور یہ زیادہ تر حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے فیصلوں اور فتوؤں پر مبنی ہے۔

اس کتاب میں حضرت عمرؓ کے فیصلوں پر بھی بہت سا انحصار کیا گیا ہے۔

ابو جعفر کی تجویز بھی یہی تھی کہ انہی ضوابط میں چونکہ

اعتدال پسندانہ رویہ ہی مناسب ہے۔ اس لئے حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں پر زیادہ تر انحصار کرنا چاہیے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سلاطین بھی کتنے واقف تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سخت گیر ہیں اور عبداللہ بن عباس رخصت اور ڈھیل دینے میں مشہور ہیں۔

عمرؓ نے اس منصب پر فائز کیا اور آپ سے مختلف سوالات کئے۔ تو قاضی شریع بھی دینی جواب دیتے رہے جو حضرت معاویہ بن جبلؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوالات پر دئے تھے۔ لیکن اس موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنی طرف اس بات کا اضافہ کر دیا کہ اگر تمہارے سے بہتر لوگوں کے نظائر موجود ہوں تو اجتہاد سے قبل ان نظائر کے مطابق فیصلے کرنا۔ اگر ایسے نظائر کسی صورت میں نہ ملیں تو پھر اجتہاد سے کام لینا۔ یہ اس لئے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں جو فیصلے بھی کئے جاتے تھے وہ اہل علم کے غور و فکر کا نتیجہ ہوتے تھے۔ اس لئے شروع شروع میں ممالک کی طرح چلتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اصحاب فکر و نظر جو اسلامی قانون میں تعلق رکھتے تھے دی عدالتوں میں قاضی کے منصب پر فائز نہ کئے جاتے تھے۔ اور یہ حضرات کسی ممالک کے تصفیہ کے لئے پہلے کتاب سنت کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور اگر یہاں سے واضح راہ نہ ملتی تو اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

دوسری صدی ہجری

دوسری صدی ہجری میں خلفائے عباسیہ کے دور میں بہت سے قاضی مقرر کرنا پڑے۔ اور ان حضرات کو متعدد معاملات کا تصفیہ کرنا پڑنا تھا۔ چنانچہ اب مختلف فیصلوں میں اختلاف سامنے آیا۔ اور یہ اختلاف محسوس بھی کیا جانے لگا۔

چنانچہ یہ تجویز سامنے آئی کہ قانونی اور فقہی اختلافات اگر اسی طرح جیتے رہے تو اس طرح انتشار و فکر کا اندیشہ ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ مختلف فیصلوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خلیفہ وقت اپنی صوابدید کے مطابق انہیں مرتب کرے (COSA) کہ اس کے ساری عدالتوں کے لئے ایک مرتب اور مدون شکل میں ضابطہ موجود ہو۔ اور اختلافات کی گنجائش باقی نہ رہے۔

امام مالکؒ کا دور

چنانچہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے حج کے موقع پر امام مالکؒ کے سامنے

رکھی جائے لیکن اگر بعد کے علماء کی رائے وقت کے تقاضوں کے مطابق معلوم ہو تو اسے بھی شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ اس مجلہ میں متاخرین کے وہ اقوال بھی شامل کر لئے گئے جو زیادہ مضبوط تھے اور زمانہ کی مناسبت اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے مصلحت زمانہ کے مطابق تھے۔

متفرق کوششیں

اس کے علاوہ بعض متفرق کوششیں دوسرے مسلمان ممالک میں بھی وقتاً فوقتاً کی جاتی رہیں۔ مثلاً مصر، شام، مشرقِ اوسط، اور لبنان میں مجلہ احکامِ ادبیہ کے نام سے ایک ضابطہ نافذ رہا۔ مصر میں خاص طور پر اس ضمن میں بہت سی کامیاب اور نتیجہ خیز کوششیں کی گئیں۔ آخری کوشش شیخ مرغی نے کی۔ اور اس کوشش کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ علماء کے بورڈ کو شروع ہی سے یہ ہدایت دی جا چکی تھی کہ قانون و ضابطہ کو کسی ایک امام کی فقہ کے ساتھ باندھ کر نہ رکھا جائے بلکہ پوری اسلامی فقہ پیش نظر رہنی چاہئے۔

یہ ہے خلاصہ اسلامی قانون کی تدوین کے سلسلہ میں آج تک کی کوشش کا۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف مواقع پر مختلف ائمہ علم و اربابِ حل و عقد نے اس میدان میں خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن میرے لئے پوری تفصیل بیان کرنا اس وقت ممکن نہیں ہے۔ میں نے ایک مختصر مبالغہ آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ تاکہ یہ اندازہ کیا جا سکے کہ اب تک اس کام کے لئے کیا کچھ کیا جا چکا ہے۔ اور بالعموم اس کام کو انجام دینے کا انداز کیا رہا ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ اب تک اس میدان میں بڑی اہم خدمات انجام دی جا چکی ہیں۔ اس پر بڑا وقت صرف کیا گیا ہے۔ اور اس کام کو بلاشبہ بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن اس کی اہمیت و افادیت کا احساس رکھنے کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف بھی کرنا پڑیگا کہ یہ تمام کوششیں ناکام ثابت ہو گئی ہیں۔ اس وقت فتاویٰ عالمگیری، مجلہ دولت عثمانیہ اور عربوں کا مجلہ احکامِ ادبیہ کہیں بھی کسی شکل میں بھی نافذ نہیں ہے۔

اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کی روشنی میں جو ضابطہ بنے گا وہ ایک ممتاز قسم کا ضابطہ ہوگا۔

دوسری کوشش

اسلامی قانون کی تدوین کے سلسلہ میں دوسرے طرز کوشش اورنگ زیب عالمگیر کے فوجد میں کی گئی۔ گیارہویں صدی میں فتاویٰ عالمگیری کے نام سے اسلامی قوانین کی تدوین و ترتیب کی یہ کوشش علمائے وقت کے ذریعے کرائی گئی۔ اورنگ زیب عالمگیر نے تدوین و ترتیب کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر مختلف علاقوں کے علماء پر مشتمل ایک بورڈ کی تشکیل کی جس کے سپرد یہ اہم کام کیا گیا کہ وہ اسلامی احکام و قوانین کو ایسی شکل میں مدون و مرتب کر دیں جس سے عدالتوں کے جج اور جج صاحبان کے لئے استفادہ کرنا آسان ہو۔ اس کام کے لئے ابتدائی فارمولہ یہ طے کیا گیا کہ فقہ حنفی کے مستند علماء کی رائے پر زیادہ تر اعتماد کیا جائے۔ اختلاف کی صورت میں مصلحتِ اسلام و مسلمان کے اصول کے پیش نظر اچھا قول لے لیا جائے اور اگر متاخرین کی رائے زیادہ مناسب معلوم ہو تو اسے لے لیا جائے۔ چنانچہ اس فارمولہ کے مطابق فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوئی۔ اسلامی قوانین کا یہ مجموعہ اگرچہ سائنٹیفک طریق پر تو مرتب نہ ہو سکا۔ تاہم ایک مرتب ضابطہ کی حیثیت سے اس وقت کے قاضیوں کا مرجع بھی کتاب رہی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین و ترتیب میں اس کتاب نے بڑی خدمت انجام دی۔ اور تدوین قانون کی تاریخ میں اسے کافی اہمیت حاصل ہے۔

تیسری کوشش

اس سلسلہ کا تیسرا کام دولت عثمانیہ کی طرف سے ”مجلہ دولت عثمانیہ“ کے نام سے سامنے آتا ہے۔ اسے ترکوں نے مرتب کرایا تھا۔ اور اصول ترتیب یہاں بھی یہی پیش نظر رہا۔ کہ اس کی اساس کو فقہ حنفی پر

ناکامی کے اسباب

ان کوششوں کی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ہمارا فرض ہے کہ ناکامی کے اسباب پر بھی اچھی طرح غور کریں۔ بالخصوص اس لئے کہ اب جبکہ ہمارے سامنے بھی اسلامی قانون کی تدوین ایسا اہم مرحلہ پیش ہے۔ اور ہمیں معلوم کرنا چاہئے۔ کہ اس میدان میں اب تک جو کوششیں کی گئی ہیں ان کی ناکامی کے اصل اسباب کیا تھے۔ ان اسباب کو پیش نظر رکھے بغیر ہمارے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ ہم جو کوششیں کریں اس کی کامیابی کے بارے میں پرامید رہ سکیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ناکامی کے ان اسباب کا تجزیہ کریں۔

امام مالکؒ کا انکار

جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے۔ امام مالکؒ نے تدوین کا فرض سمجھانے سے بار بار انکار اس لئے کیا ہو گا۔ کہ وہ اس کام کی ذمہ داری لینے سے گھبراتے تھے۔ انہوں نے یہ سوچا ہو گا۔ کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ قانون اور زمانہ کی ضرورتوں کے پیش نظر علمائے وقت خود ہی ضوابط و قوانین کی ترتیب کا فرض انجام دیتے رہیں گے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ اس وقت کے حالات کو سامنے رکھ کر ایک مستقل ضابطہ مرتب کر دیا جائے۔ آپ نے اگرچہ موطا کی شکل میں شدید اصرار کے بعد ایک کوشش کی۔ لیکن وہ ترجیح اسی کو دیتے تھے کہ مختلف زمانوں اور مختلف مقامات کے علماء کی کوششوں سے جو ضابطہ و قانون مرتب کیا جائے وہی زیادہ مناسب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد فقہ الامام احمدؒ کی ناکامی کے اسباب خاص طور پر قابل غور ہیں۔ یہ جملہ جس زمانے میں مرتبہ نافذ ہوا اس زمانہ میں یورپ کے دوزخ پرست طوفان اٹھے

نیشنلزم اور کمیونزم کے طوفان

ایک نیشنلزم کا طوفان اور دوسرا کمیونزم کا۔ ان طوفانوں کا

اثر آنا گہرا اور شدید تھا۔ کہ غور عرب ممالک بھی اس اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ حد یہ ہے کہ ان ملکوں میں بھی دی بولی بولی جانے لگی۔ جو ان طوفانوں کے مراکز میں عام ہو چکی تھی۔ اور عرب ملکوں میں سیکولرزم کے اصول کے پیش نظر یہ فتنہ سر اٹھانے لگا۔ کہ دین کا تعلق مسجد و محراب منبر سے تو ہے۔ لیکن اجتماعی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے قانون سازی کا حق صرف اہلی کو ہونا چاہئے۔ وہ جس قانون کو قانون کہہ دے بس اسی کے مطابق تمام فیصلے ہونا چاہئیں۔ اور وطنی قومیت کے فتنے نے یہ شہ دی کہ اسپیلوں کا منظور کردہ قانون اس ملک کے ہر باشندے پر یکساں حیثیت سے لاگو ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ملک کے تمام باشندے ایک ہی قومیت سے تعلق رکھتے ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم جب ہر مذہب ملک کے نمائندے اسپیلوں میں موجود ہیں۔ تو پھر ان کا منظور کردہ قانون بلا تفریق پورے ملک کے باشندوں پر نافذ ہونا چاہئے۔

مختصر یہ کہ اجتماعی زندگی سے مذہب کے اخراج کی تحریک ان ممالک میں بھی پھیلی اور اس شدت سے پھیلی کہ جملہ الاحکام العبدیہ کی بساط لپیٹ کر رکھ دی گئی۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان قوم نے اپنے اتنے قیمتی سرمایہ کو وطنی قومیت اور لادینیت کی تحریکوں سے متاثر ہو کر ضائع کر دیا۔ اس کے باوجود اس کے اثرات دانا رہ بعض ممالک بالخصوص عراق وغیرہ میں اب بھی ملتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ معاملہ تو بہت ہی حیران کن ہے جن کے آباء کی محنت اور قابلیت نے اسلامی قانون کو ایک مدون اور مرتب شکل میں پیش کیا تھا وہ وطنی قوم پرستی کا شکار ہوئے ہیں سب سے آگے بڑھ گئے۔

(باقی آئندہ)